نبی اکرمؐ کا خطبۂ رمضان المبارک

جناب محمد محسن۔ ٹونکی صاحب

(۲)

۹۔ اَوَّلُہٗ رَحْمَۃٌ۔ اَوْسَطُہٗ مَغْفِرَۃٌ۔ اٰخِرُہٗ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ۔

نحوی اعتبار سے یہ تینوں جملے فرداً فرداً اپنی جگہ مکمل مفرد جملے ہیں۔ ہر جملہ مبتدا اور خبر سے مل کر بنا ہے لہٰذا اسمیہ خبریہ ہے۔ اگر ان جملوں کو حرفِ عطف سے مربوط کر دیا جائے تو پھر ان سے مل کر ایک بڑا جملہ یعنی جملہ معطوفہ بن جائے گا۔

علم النحو کے زاویۂ نگاہ کے بجائے اگر ہم علم البیان کے زاویۂ نگاہ سے ان جملوں کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ تشبیہ کی مشاطہ نے ان جملوں کو سنوار رکھا ہے۔ ان میں فرداً فرداً تشبیہ بلیغ کا گوہر درخشاں ہے۔

ہم اپنے مجازی محبوب کے لیے بھی تو توصیفی اور تشبیہی انداز میں کہہ دیتے ہیں کہ اس کا قامتِ زیبا قیامت ہے۔ شاخِ قامت پہ اس کا چہرۂ زیبا ایک گُلِ نوشگفتہ ہے۔ اُس کے رُخسار پھول ہیں، اُس کی زبان سوسن یا بُلبُلِ ہزار داستان ہے۔ اُس کی آنکھیں نرگسِ مستانہ ہیں۔ اُس کی کاکلیں زنجیریں ہیں۔ ایک شاعر کا نعتیہ انداز دیکھیے:

ع دو عالم بہ کاکل گرفتار داری

یہ سب محبوب کے سراپا کو بیان کرنے کے مختلف تشبیہی انداز ہیں۔ اسی طرح اگر حبیبِ حق اور محبوبِ ربُّ العٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم نے (فِدَاہُ اَبِیْ وَاُمِّیْ وَ فِدَاہُ نَفْسِیْ)

رمضان المبارک کے سراپا کو تشبیہی انداز کے ساتھ اس طرح بیان فرما دیا کہ " اُس کا عشرۂ اوّل رحمت عشرۂ وسطیٰ مغفرت اور عشرۂ آخر آگ سے آزادی ہے"۔ تو اس میں حیرت و تعجب کا کیا سوال ہے۔ آخر رمضان المبارک بھی تو بلاشبہ محبوب ربّ العٰلمین، محبوب رحمۃٌ لّلعالمین ہے اور محبوب المسلمین بھی۔

اِن تینوں جملوں میں پروردگارِ عالم کی تین صفات یعنی صفتِ رحمت، صفتِ مغفرت اور صفتِ اِجارۃ بیان ہوتی ہے۔ یعنی پروردگارِ عالم رحمٰن و رحیم ہیں۔ غفّار اور مجیر ہیں۔ یہ تینوں صفات رمضان المبارک میں زیادہ کارفرما اور زیادہ فعّال ہوتی ہیں۔ اور اجر و ثواب میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایک صفت دوسری صفت سے پیدا ہوتی اور اُس پر استدلال کرتی ہے۔ رحمت سے مغفرت اور اِجارۃ دونوں پر استدلال ہوتا ہے۔ یعنی مغفرت اور اِجارۃ دونوں اسبابِ رحمت ہیں۔ اِسی طرح مغفرت سے اِجارۃ پر اور اِجارۃ سے مغفرت پر اور پھر مغفرت سے رحمت پر استدلال ہوتا ہے۔ ہر صفت دوسری صفت کے ساتھ ہم آغوش ہے اور اُس کا جزوِ لاینفک ہے۔ اِس اعتبار سے ہر صفت پورے ماہِ مبارک پر چھائی ہوئی ہے۔ اگر ہم ہر صفت کو عشرے کے ساتھ مختص کریں گے تو گویا غیر محدود صفات کو محدود کر دیں گے حالانکہ پورا مہینہ اِن صفات کے انوار و تجلیات کا آئینہ دار ہے۔ جب رمضان المبارک اِن صفات کا مرکز و مظہر ہے تو وہ خود سراسر جلوہ زار اور سراپا انوار ہے۔

جس سرچشمۂ تجلیات اور منبعِ انوار سے کائنات کا ذرّہ ذرّہ روشن ہے تو یہ کیوں کر ممکن ہے کہ یہ ماہِ مبارک اُس کے انوار سے منوّر نہ ہو۔ یہ مہینہ کوئی معمولی مہینہ نہیں۔ یہ سراپا نُور ہے۔ اِس لیے کہ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ - (البقرہ۔ ۱۸۵) اور اس لیے کہ اَلصَّوْمُ لِیْ وَ اَنَا اَجْزِیْ بِهٖ (حدیث قدسی) ۔ یہ رمضان المبارک کے سراپا نُور ہونے کا ایک پہلو ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس ماہ میں آقا کا قُرب اپنے غلاموں کے ساتھ نسبتاً زیادہ ہوتا ہے۔ اور غلام بھی توفیقِ الٰہی اور تائیدِ ایزدی کے ذریعے عبادات میں جوش و خروش دکھاتے ہیں۔ نوافل بھی ترک نہیں کرتے کیونکہ وہ فرائض کے برابر ہو جاتے ہیں۔ اشراق و چاشت۔ اوّابین اور تہجّد کے نوافل پابندی اور ذوق و شوق کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

صلوٰۃ التسبیح اور تراویح بھی ادا کی جاتی ہیں۔ نمازِ تراویح کی یہ فضیلت ہی کیا کم ہے کہ اس میں ہر غلام کو آقا کے سامنے چالیس مرتبہ سر بسجود ہونے کی یومیہ سعادت نصیب ہوتی ہے۔ تلاوتِ کلامِ پاک میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور آخری عشرے میں تو بیشتر غلام معتکف ہو جاتے ہیں۔ ہر تعلق کو توڑ کر آستانۂ الٰہی سے چمٹ جاتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے گویا ہر معتکف اِس طرح التجا کر رہا ہے۔

مقبول گر نہ ہوں تو نہ ہوں سجدہ ہائے شوق!
اب سر تو لے کے جاؤں ترے آستاں سے کیا

الغرض اعمالِ صالحہ، افعالِ حسنہ، کردارِ پاکیزہ، سیرۃ مطہرہ، ایمان اور قرآن سب سراپا انوار ہیں۔ یہ نور وہ ہے جس سے ظلمتِ کُفر کافور ہوتی ہے۔ قرآنِ کریم نے کفّار کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

اُنْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ (الحدید-۱۳)

ترجمہ: ذرا ہمارے پاس ٹھہرو نا۔ ہم بھی تمہارے خرمنِ انوار سے خوشہ چینی کرلیں۔

مفسرین کرام نے اِسے اعمالِ صالحہ اور سیرت و کردار کے خرمنِ انوار سے تعبیر کیا ہے۔ یہ رمضان المبارک کے سراپا انوار ہونے کا دوسرا پہلو ہے۔

اِن انوار کے اجتماع سے یہ مہینہ نُورٌ علیٰ نُور ہو جاتا ہے۔ تجلیات کا جلوہ زار بن جاتا ہے بالفاظِ دیگر یوں کہیے کہ یہ ماہ مبارک گلشنِ توحید کی صبحِ بہار ہی نہیں غیرتِ صبحِ بہار بھی ہے۔ اس کا ہر عشرہ رحمت، مغفرت اور اجارۃ سے گھرا ہوا ہے۔ صفات محیط ہیں اور عشرہ محاط۔ عشرۂ اوّل رحمت ہے اور مغفرت و اجارۃ بھی۔ عشرۂ وسطیٰ مغفرت ہے اور اجارہ و رحمت بھی۔ اسی طرح عشرۂ آخر اجارۃ یعنی عِتْقٌ مِنَ النَّار ہے اور مغفرت و رحمت بھی۔ کیونکہ ہر صفت دوسری صفت پر استدلال کرتی اور اس کا لزوم ثابت کرتی ہے۔ اور صفات بھی سراپا انوار ہی ہیں۔ لہٰذا اس تشبیہ بلیغ میں مشبّہ واحد اور مشبّہ بہ متعدد ہیں۔

مشبّہ بہ کا متعدد ہونا تشبیہ کا مزید وصف ہے۔ اِس سے تشبیہ کی نُدرت، نفاست اور علوِ پایگی ثابت ہوتی ہے۔ دیکھیے مشبّہ اور مشبّہ بہ کے درمیان کیسا کامل تطابق ہے۔ کیونکہ رمضان المبارک

ہر دو پہلو سے سراپا انوار ہے اور صفاتِ الٰہی بھی سراپا انوار ہیں۔ مزید وضاحت کے لیے خاکہ ملاحظہ کیجیے:

وضاحتی خاکہ

مشبّہ	مشبّہ بہ	وجہِ شبہ
اَوَّلُہٗ	رحمت، مغفرت، اجارۃ	رحمت، مغفرت، اجارۃ، نور، سرور، فوزِ عظیم۔
اَوْسَطُہٗ	مغفرت، اجارۃ، رحمت	مغفرت، اجارۃ، رحمت، نور، سرور، فوزِ عظیم۔
آخِرُہٗ	عتق (اجارۃ) مغفرت، رحمت	اجارہ، مغفرت، رحمت، نُور، سرور، فوزِ عظیم۔

ادبی حسن کے علاوہ اِن تینوں جملوں میں عروضی حسن بھی موجود ہے۔ یہ جملے موزوں ہیں نثر نہیں، نظم ہیں اور ان کا نظم ہونا حُسنِ مستزاد ہے۔ عروضی اعتبار سے اِن موزوں جملوں کی تقطیع درجِ ذیل طریقہ سے کی جا سکتی ہے۔

عروضی رُخ
تقطیع

اَوَّلُہٗ	رَحْمَۃٌ
مُفْتَعِلُنْ	فَاعِلُنْ
اَوْسَطُہٗ	مَغْفِرَۃٌ
مُفْتَعِلُنْ	فَاعِلَتُنْ
آخِرُہٗ	عِتْقٌ
مُفْتَعِلُنْ	فِعْلُنْ

دیکھیے، تینوں جملوں کے ابتدائی الفاظ ہم وزن ہیں۔ مگر آخری الفاظ کے اوزان متفرق ہیں۔ اِس موقع پر یہ غلط فہمی ہرگز نہیں ہونی چاہیے کہ یہ موزوں جملے شعر ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم شاعر ہیں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے غیر ارادی طور پر نکلے ہوئے ان موزوں جملوں کو شعر تسلیم کرلیں تو پھر ہر انسان کو ہمیں شاعر تسلیم کرنا پڑے گا۔

شاعری آسان نہیں ہے۔ اس کے لیے تخیل آرائی کرنا پڑتی ہے۔ جذبات، تاثرات اور خیالات پیدا کرنا پڑتے ہیں۔ پھر ان میں رنگینی و رعنائی پیدا کرنی پڑتی ہے، ذہنی اور فکری کاوش کرنا پڑتی ہے۔ موزوں اور منتخب الفاظ، چست بندشیں اور دلآویز ترکیبیں تلاش کرنا پڑتی ہیں۔ الفاظ میں ترمیم و تنسیخ اور کانٹ چھانٹ کرنا پڑتی ہے۔ تب کہیں جا کر ایک شعر جامۂ زیب ہوتا ہے۔ شعر کہنے کے لیے موزونیت اور ارادہ شرطِ اوّل ہے۔ غرض شاعری خون تھکائی اور جگر کاوی کا نام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ موزوں درج بالا تمام تکلفات سے مبرا ہیں لہٰذا انہیں شعر ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ مخالفین نے جب کہا:

أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ (الصّافات۔)

ترجمہ: کیا ہم ایک شاعر مجنون کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں۔

تو قرآنِ کریم نے انھیں اس طرح منہ توڑ جواب دیا:

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنبَغِي لَهُ (یٰسٓ۔)

ترجمہ: ہم نے اپنے جلیل القدر رسول کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور یہ آن کے منصبِ رسالتؐ کے شایانِ شان بھی نہیں ہے۔

اس جواب پر غور کیجیے۔ دونوں جملوں میں مائے نافیہ کی تکرار نے جواب کو کیسا سخت اور پُر زور کر دیا ہے۔ اگرچہ اس جواب میں لطافت ہی لطافت اور نرمی ہی نرمی ہے۔

سورۂ شعراء میں بھی شعراء کا تذکرہ کیا گیا ہے اور واضح طور پر آن کی صفات اور خصوصیات بیان فرمائی گئی ہیں۔

قرآن کریم فرماتا ہے:

بَلِ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ (الانبیاء۔ ۵)

ترجمہ: بلکہ اس نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا ہے، بلکہ وہ شاعر ہے۔

یعنی یہ کلام شعر ہے جو اس شاعر کا نتیجۂ طبع ہے۔
یہ مخالفین کا قول ہے۔ اَلشَّعْرُ بمعنیٰ بال۔ اس کی جمع اشعار ہے۔ شعر اصل میں علم لطیف کا نام ہے۔ پھر عرفِ عام میں موزوں اور مقفّٰی کلام کو شعر کہا جانے لگا۔ شاعر کو بھی اس کی باریک بینی اس کی فطانت، لطافتِ نظر اور لطافتِ طبع کی وجہ سے ہی شاعر کہا جاتا ہے۔
بیشتر مفسرین کرام نے یہ سمجھا ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر شعر یعنی منظوم و مقفّٰی کلام بنانے کی تہمت لگائی تھی حتیٰ کہ وہ قرآن میں ہر موزوں آیت کی تاویل کرنے لگے۔ لیکن بعض حقیقت شناس لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے اُن کا مقصد منظوم اور مقفّٰی کلام بنانے کی تہمت لگانا نہیں تھا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ قرآن کریم اسلوبِ شعری سے مبّرا ہے اور اس حقیقت کو عجمی بھی بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ پھر فصحاء عرب کا کیا ذکر ہے۔ بلکہ وہ آپؐ پر (نعوذ باللہ) جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے۔ کیونکہ عربی زبان میں شعر بمعنیٰ کذب اور شاعر بمعنیٰ کاذب استعمال ہوتا ہے حتیٰ کہ جھوٹے دلائل کو اَدِلَّةٌ شِعْرِيَّةٌ کہا جاتا ہے اور شعر چونکہ جھوٹ کا پلندہ ہوتا ہے اس لیے مقولہ مشہور ہے کہ اَحْسَنُ الشِّعْرِ اَكْذَبُهٗ یعنی سب سے بہتر شعر وہ ہے جو سب سے زیادہ جھوٹ پر مشتمل ہو۔ (مفردات القرآن)
غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعراء کے ساتھ سرِ مو بھی کوئی نسبت نہیں۔ آپؐ تو سرتاسر حق کا منبع اور صدق کا سرچشمہ ہیں۔ دسویں، گیارھویں اور بارھویں جملے میں بھی صرف امتیازی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ فی الحال خطبۂ مبارکہ کے صرف بارہ جملے ہی زیرِ بحث ہیں۔
یہ ہیں انفرادی ادبی محاسن مگر ایک اجتماعی حسن ایسا بھی ہے جو پورے خطبہ پر چھایا ہوا ہے اور پورے خطبہ کی آرائش و زیبائش ہے۔ اس اجتماعی ادبی حسن کا ادراک کرنے کے لیے یوں سمجھیے کہ بارہ جملوں میں چھ جملے ایسے ہیں جن میں رمضان المبارک کی خصوصیات بھی ہیں اور ادبی محاسن بھی جلوہ نما ہیں۔ مگر بقیہ چھ جملوں میں صرف خصوصیات ہی خصوصیات ہیں۔ پھر یہ بھی دیکھیے کہ اس خطبہ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں بھی خصوصی طور پر "شَهْرُ رَمَضَانَ" استعمال نہیں فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ عمومیت کے ساتھ "شَهْرٌ، شَهْرٌ، شَهْرٌ" استعمال فرما رہے ہیں اور اس کی صفات و خصوصیات بھی بیان فرما رہے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے

ذہنوں میں بھی معہودِ ذہنی کے طور پر "رمضان" کا لفظ موجود ہے اور وہ خوب اچھی طرح سمجھ رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تمام ارشادات "رمضان" ہی کے متعلق ہیں، مگر خارج میں اس کا کہیں وجود نہیں۔

حسنِ کلام کا یہ بھی ایک نرالا انداز ہے کہ کسی شے کا ذکر ہی نہ کیا جائے، صرف اس کی خصوصیات بیان کی جائیں اور ان خصوصیات ہی کے ذریعے اُس خاص شے کا سراغ لگ جائے۔ کلام کا یہ عجیب انداز خطبۂ مبارکہ پر چھایا ہوا ہے۔ اور یہی اس کا اجتماعی ادبی حسن ہے۔ علمائے بیان کی اصطلاح ... الا اندازِ بیان "کنایہ بلیغ" کہلاتا ہے اور یہ کنائے کی نہایت نادر، نفیس اور اعلیٰ قسم ہے۔ خطبہ کا ... حسن اس کی بلاغت میں پوشیدہ ہے۔ اُس لاثانی مُبلّغ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبانِ گوہر فشاں کا کیا کہنا ... ہزار جان سے جانِ بلاغت قربان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ سکوت بے محل تھا اور نہ ... بے موقع ہوتی تھی۔ آخر رمضان المبارک کے ورودِ مسعود کے موقع کے علاوہ اور کونسا موقع ایسے خطبہ کے پیش کیے جانے کے لیے موزوں ترین تھا۔ اس کا رازِ بلاغت ہی یہ ہے کہ اسے موقع و محل کے ساتھ کامل تطابق حاصل ہے۔

نحوی رُخ

خطبۂ مبارکہ کے بارہ جملوں کا سلسلہ وار نحوی تجزیہ درج ذیل ہے:

۱۔ یہ جملہ ندا اور جوابِ ندا سے مرکب ہے اور جملہ ندائیہ ہے۔

۲۔ یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہے۔ موصول و صلہ، مرکب جاری اور عددی پر مشتمل ہے۔ اس میں محذوفات بھی ہیں۔ ترکیبِ نحوی درج ذیل ہے:

كَانَ ——— خبر
فِيْهِ ——— متعلق خبر
لَيْلَةٌ ——— موصوف
اَلَّتِيْ ——— موصول
هِيَ ——— ضمیر ——— مبتدا
خَيْرٌ ——— خبر
مِنْ اَلْفِ شَهْرٍ ——— مرکب جاری وعددی ——— متعلق خبر

(هِيَ + خَيْرٌ + مِنْ اَلْفِ شَهْرٍ = صلہ؛ موصول + صلہ = صفت؛ موصوف + صفت = مبتدا؛ خبر + متعلق خبر + مبتدا = جملہ اسمیہ خبریہ)

۳ ۔ یہ جملہ معطوفہ ہے ۔ جَعَلَ فعل متعدّی بہ دو مفعول ہے ۔ دونوں جملوں میں فعل اور فاعل مشترک ہیں ۔

۴ ۔ یہ جملہ صلہ و موصول مرکب اضافی اور مرکباتِ جاری سے مرکب ہے ۔

۵ ۔ یہ جملہ بھی صلہ و موصول ۔ مرکباتِ جاری، اضافی اور عددی سے مل کر بنا ہے ۔

۶ ۔ جملہ معطوفہ ہے ۔ اِس میں دو مرکب اضافی ہیں ۔ اس چھٹے جملہ سے بارھویں جملہ تک تمام جملے (واوِ عطف) کے ساتھ مربوط ہیں ۔ اِس ارتباط کو اگر قائم رکھا جائے تو سات جملوں سے مل کر ایک بہت بڑا جملہ معطوفہ بن جاتا ہے ۔ بصورتِ دیگر ہر جملہ کی ترکیبِ نحوی الگ ہے ۔

۷ ۔ بہت مختصر جملہ ہے ۔ اِس کی ترکیبِ نحوی بھی آسان ہے اور درج ذیل ہے :

هُوَ	ضمیر واحد مذکر غائب (محذوف) مبتدا		جملہ اسمیہ خبریہ
شَهْرُ	مضاف	خبر	
الْمُوَاسَاةِ	مضاف الیہ		

۸ ۔ آٹھویں، نویں اور دسویں جملہ میں (شَهْرٌ) کا لفظ متواتر استعمال ہوا ہے اور موصوف ہے ۔ بعد کے پورے جملے اِس موصوف کی صفت واقع ہوئے ہیں ۔ صفت مفرد بھی ہوتی ہے اور مرکب بھی ۔ اِس جملہ کی ترکیبِ نحوی نسبتاً مشکل ہے اور درج ذیل ہے :

هُوَ	مبتداء				جملہ اسمیہ خبریہ
شَهْرٌ	موصوف			خبر	
يُزَادُ	فعل مجہول		صفت		
رِزْقُ	مضاف	مفعول ما لم یسم فاعلہ	فاعل		
الْمُؤْمِنِ	مضاف الیہ				
فِيْ	جار	متعلق فعل			
هِ	مجرور				

دیکھیے! ایک بڑا جملہ جب پھیلتا ہے تو فعل، فاعل، مفعول، متعلق فعل، مرکب توصیفی، مرکب اضافی، مرکب جاری وغیرہ سب کچھ بن جاتا ہے، مگر جب سمٹتا ہے تو صرف مبتدا اور خبر کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے۔

ع سمٹے تو دلِ عاشق پھیلے تو زمانہ ہے

۹ - نویں جملہ کی ترکیب بھی دیکھیے۔ یہ جملہ بھی اوپر کے جملہ کی طرح سمٹ سمٹا کر صرف مبتداء اور خبر کی شکل میں باقی رہ جاتا ہے۔ (هُوَ شَهْرٌ) آزاد و خود مختار جملہ ہے۔ بقیہ جملہ معطوفہ اس کا محکوم صفتی جملہ (ADJECTIVE CLAUSE) ہے۔

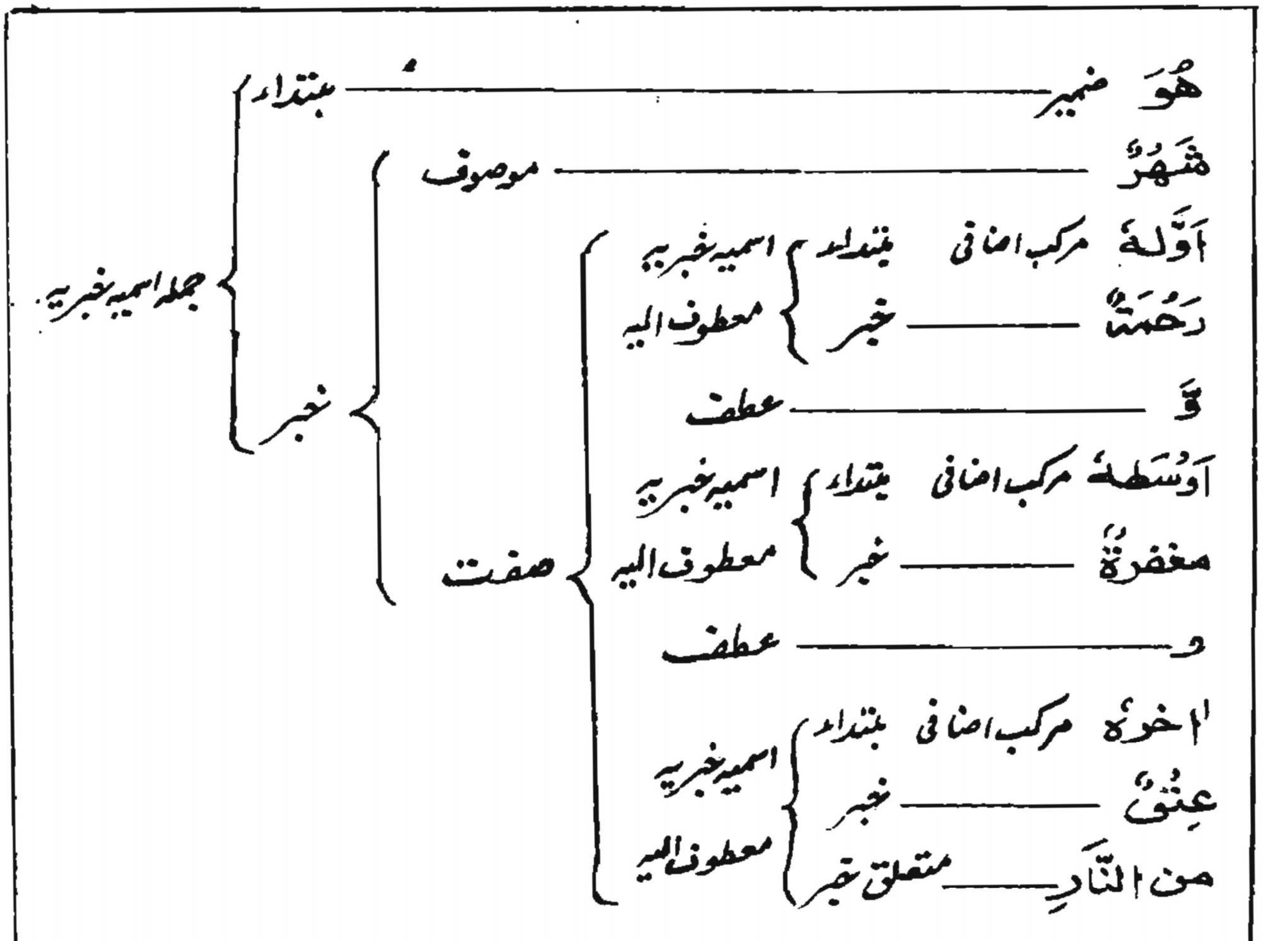

آخری تینوں جملوں میں صلہ و موصول مشترک ہیں۔ ان کی ترکیبِ نحوی بھی بآسانی کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح آیاتِ کریمہ کی ترکیبِ نحوی بھی کی جاسکتی ہے۔ مشکل منازل میں علمائے نحو ہمارے رہنما ہیں اور ہماری غلطیوں پر متنبہ کرنے والے ہیں۔

خطابی رُخ

قرآنِ کریم میں تخاطب کے انداز بھی نرالے اور رنیرنگ ہیں۔ مثلاً خطابِ عام میں خطاب بِخاص کی رنگینی ہے۔ اور خطابِ خاص میں عمومیت کی ادا ہے۔ کہیں خطاب جمادات بطرز ذوی العقول ہے۔ کہیں خطاب المدح ہے اور کہیں خطاب الذم، کہیں خطابِ توہین و تمسخر ہے اور کہیں خطاب برکرامت و شرافت۔ قرآنِ کریم میں لفظِ "قُلْ" کے ساتھ جتنی باتیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہیں وہ سب اس اُمّت کے لیے خطاب تشریف و شرافت یعنی عزت افزائی کے خطاب ہیں۔ کیونکہ پروردگارِ عالم نے اس اُمّت کے لیے لوگوں سے بلا واسطہ تخاطب فرمایا اور ان کو یہ شرفِ عظیم بخشا۔

اسی طرح قرآن مجید میں کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "یا محمدؐ" کہہ کر مخاطب نہیں کیا گیا بلکہ آپ کی تعظیم و تشریف کے لحاظ سے "یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ" اور "یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ" کے ساتھ آپؐ کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اس سے مراد مومنین کو بھی تعلیم دینا ہے اور دیگر انبیاء کے مقابلہ میں آپ کی خصوصیت بھی ظاہر کرنا ہے۔ کہیں خطاب تعجیز ہے اور کہیں خطابِ تحبّب

اسی طرح واحد، تثنیہ اور جمع کے خطابات میں بھی لطافتیں اور ندرتیں پوشیدہ ہیں۔ یعنی واحد کے خطاب میں تثنیہ کی شان اور تثنیہ کے خطاب میں واحد کی شان نمایاں۔ تثنیہ کا خطاب جمع کا اور جمع کا خطاب تثنیہ کا آئینہ دار ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ بھی خطابِ تحبّب (اظہارِ محبت کا خطاب) ہے آخر نوعِ انسانی کے مفاد اور اس کی فلاح و بہبود کے سوا اس خطبہ کی غرض و غایت اور کیا ہے۔ اور آپ سے بڑھ کر نوعِ انسانی سے محبت کرنے والا دوسرا انسان کون ہے۔ آیۂ کریمہ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ ...... نوعِ انسانی کے ساتھ آپؐ کی بے پایاں محبت پر حجت ہے۔ خدا تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف اس طرح بیان فرماتا ہے:

عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ، حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ ، بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ

(القرآن)

یہ محب کی جانب سے محبوب کی لاثانی نعت نثر میں ہے۔ اس سے بھی بنی نوعِ انسان کی محبت ہی پر استدلال ہے۔

موعظتی رُخ

خطبۂ مبارکہ کا موعظتی رُخ بھی نہایت اہم ہے۔ اس سے جو سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ گلفشانِ گفتار بہارِ حیات نہیں ہے۔ بازوئے تیغ زن بہارِ حیات ہے اور سُرخروئی اسی کا حصہ ہے۔ سر کا مقصود ہی راہِ حق میں قربان ہونا ہے، جس سر میں ذوقِ سرفروشی نہیں وہ باردوش ہے۔ اسلام عیش کوشی اور لذت یابی کا نام نہیں ہے۔ جانگدازی، جانفشانی، قربانی، جدوجہد اور جہاد کا نام اسلام ہے۔ رمضان المبارک پورے جوش وخروش کے ساتھ یہی پیغامِ عام دیتا ہے۔

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آساں سمجھتے ہیں مُسلماں ہونا

الغرض خطبۂ گرامی ادبی محاسن کے خوش رنگ اور نیرنگ پھولوں کا ایک بے نظیر گلدستہ ہے، جس میں استعارہ، تشبیہاتِ بلیغ، کنایۂ بلیغ، بلاغت، موزونیت اور ایجاز قصر کے گھلے ئے معطر عطر فشاں ہیں۔ جہانِ قرآن ہو یا جہانِ احادیث دونوں انوار ہی انوار اور تعطر ہی تعطر ہیں۔ ان کے سامنے نہ کوئی جلوہ زار ٹھہر سکتا ہے اور نہ گلستانِ عالم ٹھہر سکتے ہیں۔ اُمتِ مُسلمہ کا فرض ہے کہ وہ ان دونوں جہانوں کے انوار و تجلیات اور تعطر و نکہت کو کائنات کے گوشہ گوشہ میں پھیلائے۔

مولانا گلشیر شہید

جو مجلسِ احرار کے ممتاز رہنما تھے، ان کی سوانح حیات ترتیب دی جا رہی ہے۔ جن اصحاب کے پاس اس سلسلے میں کوئی یادداشت، تحریر، خط یا واقعاتی مواد موجود ہو جلد ارسال کریں۔

ناظم گلشیر اکیڈمی - فاروق دواخانہ مین بازار تلہ گنگ ضلع چکوال